

طاقتوں کے بالفعل ہونے میں ملائکہ کا بہت زبردست ہاتھ ہے۔ یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کی سندیں بے شمار دلیلیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) یُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالْإِذْنِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ.... وہ نازل فرماتا ہے ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے حکم کو اپنے بندوں میں سے جس پر بھی وہ مناسب سمجھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہے:-

(۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ روح امین (جبرائیل) نے تمہارے دل پر اسے نازل کیا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے اس آیت سے متعلق ایک اور نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ حقیقی کمال کسی چیز کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ چیز خود مکمل و مکمل ہو۔ مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہو جو اس کے شایان شان ہوں۔ اور مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ اس کا فیض دوسروں پہنچے۔ اور یہ کہ دوسرے کی تکمیل سے مقدم خود بالکمال ہونا ہی اس کے بغیر صلاح و ارشاد بے معنی ہی ہوتا۔ پہلی صفت میں اشارہ ہے کہ ملائکہ اپنی تکمیل کے لئے ہمہ ان طاعت الہی میں جست رتھیں اور دوسری صفت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسانی قلوب سے وہ تمام کی تمام خرابیاں دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جو فطرت انسانی کے سرانہائی ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ ارواح بشری کے انوار الہی سے تسخیر ہونے میں شریک ہیں۔

۳۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اوصاف اگر وہ انسانی پر محمول کی جائیں اور اس کی دو شکلیں ہیں:-

(۱) وَالصَّفَاتِ صَفَاتِ السَّانُوں کی وہ صفیں مراد لی جائیں جو نماز کی ادائیگی کے وقت صفت قائم کی جاتی ہیں، اور فَاَلْزَمِیْنَ ذِکْرًا سے نمازیوں کا اسوۂ باللہ پڑھنا مراد لیا جائے، گویا اس کلمہ کو نمازی اپنے پاس سے شیاطین کو دور بھگاتے ہیں۔ اور فَاَلْزَمِیْنَ ذِکْرًا سے ان کا نماز میں قرآن پڑھنا مراد لیا جائے۔

دوسری صفت کی ایک اور توجیہ بھی بہت مشہور ہے وہ یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں جس کی مصلحت شیاطین کو بھگانا ہے چنانچہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قرات والی روایت

میں یہی مصلحت مذکور ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ اس سے علماء محققین کی وہ صف بصف جماعت مراد لی جائے جو دین الہی کی تبلیغ میں منہمک ہوتی ہے اور دوسری صفت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی میں غایت درجہ لچسپی رکھتے ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دین الہی کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اتباع شرع پر بھی لوگوں کو ابھارتے ہیں۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ان صفات کو مجاہدین (فی سبیل اللہ) پر منطبق کیا جائے یعنی پہلی صفت سے جنگ کی صفیں مراد لی جائیں اور قرآن پاک میں مذکور بھی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا۔ دوسری صفت سے یہ مقصود ہے کہ وہ اثنائے جنگ میں گھوڑوں کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔ اور تیسری صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ میدان جنگ کی گرما گرمی کے وقت بھی انکی زبانیں یاد الہی سے غافل نہیں ہوتیں۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ یہ صفات آیات قرآنی کی ہیں اور اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ قرآن پاک کی آیات متعدد مباحث سے متعلق ہیں۔ کچھ تو وحدانیت اور علم الہی پر مشتمل ہیں اور کچھ قدرت خداوندی اور حکمت بانی کے بارے میں واقع ہیں اور کچھ اخلاقیات و شرائع سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صفت میں آیات قرآنی کو صف بصف اشخاص کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری صفت سے ان آیات کی جانب اشارہ ہے جو نواہی پر مشتمل ہیں اور تیسری صفت ان آیات سے متعلق ہے جو اعمال غیر کے وجوب پر محرک ہیں۔

اب دوسری صورت کو، یعنی یہ کہ ان صفات کا موصوف ایک نہیں بلکہ الگ الگ قرار دیا جائے مثلاً پہلی صفت کے موصوف پندے ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے وَالطَّيْرُ صَفَات۔ اور دوسری صفت سے وہ تمام کی تمام چیزیں مراد لی جائیں جو معاصی سے روکنے کا ذریعہ ہوں۔ اور تیسری صفت سے (بلا تخصیص) وہ تمام کی تمام باتیں مراد لی جائیں جو کلام الہی میں سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس دوسری صورت کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں:-

”خداوند تعالیٰ کی مخلوقات یا تو جسمانی ہیں۔ یا روحانی۔ مخلوقات جسمانیہ کے مختلف مدارج و طبقات ہیں جن میں سر و تغیر نہیں ہوتا مثلاً زمین وسط عالم ہے اور کرہ مائی سے محیط ہے۔ پانی ہوا سے محیط ہے اور ہوا آگ سے محیط ہے۔ مزید براں یہ کہ عناصر اربعہ طبقات فلکی سے عالم اجسام کے آخری حصہ تک محیط ہیں۔ پس عالم اجسام گویا جلال الہی کے سامنے صفت بصف کھڑا ہے۔ رہے جو اہر روحانیہ ملکیت (ملاکہ) تو وہ باوجود اختلاف مدارج و صفات دو صفتوں میں خسرک ہیں۔ ایک تو عالم احیاء میں تاثیر و تصریف ہے، جس پر یہ آیت (فَالْأَشْجَارُ ذُجُجًا) صریحاً دلالت کر رہی ہے۔ اور دوسری صفت خداوند تعالیٰ کی معرفت میں استغراق ہے، پانچہ فَالْأَشْجَارُ ذُكُوًّا میں اتنی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ عالم اجسام درجہ میں عالم ارواح سے ادنیٰ ہے اور جانیات میں تصرف بمقابلہ عالم ارواح کے آسان ہے اس لئے پہلے درجہ میں عالم اجسام کو رکھا گیا اور دوسرے درجہ میں ان ارواح طیبہ کو رکھا جو عالم اجسام پر تصرف کرتے ہیں اور تیسرے درجہ میں ان ارواح مقدسہ کو رکھا ہے جو ہمہ تن خدا کی تسبیح و تہلیل میں لگی رہتی ہیں“

اس کے بعد امام موصوف نے دو ایسے گروہوں کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک کا خیال ہے کہ نفس اشیاء مذکورہ مقسم بہ نہیں ہیں بلکہ ان اشیاء کا خالق مقسم بہ ہے۔ اور دوسرے فریق کے نزدیک نفس اشیاء مذکورہ ہی مقسم بہ ہیں۔ چونکہ امام موصوف نے ہر دو فریق کے اقوال کے نقل کر دینے ہی پر اکتفا کیا اور اپنی کوئی رائے نہیں لکھی ہے اس لئے ہم اس بحث کی تفصیل پیش کر ڈی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ حضرت امام رازیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم بحث کی ہے جس کا ایک طالب قرآن کے سامنے ہونا نہایت ضروری ہے اور وہ اس موقع پر قسم کھانے کی ضرورت بابت کا مسئلہ ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ قسم کا مقصود یا تو مومن سے کوئی بات منوانا ہو سکتا ہے یا کافر سے۔ پہلی صورت تو باطل ہے اس لئے کہ مومن تو بغیر قسم ہی کے تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اور دوسری صورت بھی باطل ہے اس لئے کہ منکر آپ کی بات قسم کھانے سے نہ تسلیم کرے گا بلکہ اسے دلیل ہی سے قائل کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کے شروع میں وحدانیت پر قسم کھائی ہے اور سورہ ذاریات کے اوائل میں وقوع قیامت کے ثبوت میں قسم کھائی ہے۔ ان مطالب عالیہ کو (ملاحظہ و دہر یہ کے اوہام باطلہ کی تردید کے ساتھ) قسم کے ذریعہ سے ثابت کرنا عقلاً کے طریقہ کو منافی ہے۔ ان شبہات کے تین جواب ہو سکتے ہیں:-

(۱) خداوند تعالیٰ نے وحدانیت اور بعثت و قیامت کو زیادہ تر ابتدائی سورتوں میں یقینی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ پھر جب لائل قطعہ پوری طرح بیان کر دے گئے تو دلائل مابقی کی تاکید کے لئے قسم کھائی گئی۔ خصوصاً قرآن تو عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور قسم کے ذریعہ سے کلام میں زور پیدا کرنا ان کے ہاں کا عام طریقہ تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان چیزوں سے وحدانیت کے ثبوت پر قسم کھائی تو اس سے متصل ہی ان براہین قاطعہ کا بھی ذکر کیا جو وحدانیت کے باب میں نہایت روشن دلائل ہیں۔ یعنی فرمایا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ۔ یہ قول اس بنا پر دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول میں (لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا) بیان فرمادیا ہے کہ آسمان و زمین کا نظام وحدانیت پر شاہد ہے۔ بعینہ یہاں بھی جب یہ کہا گیا کہ (إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ) تو اس سے متصل ہی بطور دلیل کے یہ بیان کیا گیا (رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا أَوْ رَبُّ الْمَشَارِقِ) گویا یوں کہا گیا کہ آسمان و زمین کے نظام میں تفکر تو حید باری پر شاہد ہے پس اے لوگو! اس دلیل میں غور کرو تا کہ تمہیں توحید کا اذعان حاصل ہو۔

(۳) یہ کلام بت پرستوں کے اعتقاد کثرتِ آہہ کے ابطال میں واقع ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بت پرستوں کا مسلک تمنا بودا ہے کہ اس کے ابطال کے لئے تاکید کے ساتھ بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہو کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان آیات سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اسے جملاً تین سرخوئوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

(۱) مقسم بہ کی تعیین

(۲) مقسم بہ اشیاء مذکورہ ہیں یا اس کے علاوہ کوئی دیگر شے ہے؟

(۳) مقسم بہ کا مقصود اس موقع پر کیا ہے؟

امام موصوف نے مقسم بہ کے بارے میں بہت سی صورتیں بیان فرمادی ہیں، مگر مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں فرمائی، اس لیے بجز احتمالات کے نقل کرنے کے کوئی قطعی اور محکم رائے بھی ظاہر نہ کی۔ ممکن ہے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس سے طلبہ قرآن میں محنت و جانفشانی سے صحیح راہ تلاش کرنے کی قوت پیدا ہو۔ رہی یہ بحث کہ مقسم بہ نفس اشیاء مذکورہ ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دیگر چیز ہے تو ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید میں قسم کھانے کی غایت و غرض پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بحث پیدا ہو گئی ورنہ یہ منصفہ شہود پر نہ آتی۔ اسی وجہ سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس موقع پر قسم کھانا مناسب تھا یا نہیں یا یہ کہ یہاں پر قسم کھانے میں کیا مصالح ہیں؟ امام موصوف نے پہلے تو اس موقع پر قسم کھانے میں چند در چند زحماتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد ان زحماتوں کے مختلف حل بتائے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت کے پوشیدہ نہیں کہ امام موصوف کے ان جوابات میں بہت ہی تضاد ہے۔ مثلاً پہلے جو ایک خلاصہ یہ ہے کہ قسم دلائل سے مبوق ہوا کرتی ہے، اور اصل اعتبار دلائل کا ہے، اور قسم تو محض عربوں کے عام طریقہ کے مطابق محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے۔ غور کیجئے ترتیباً قرآن سے یہ جواب کتنا بعد ہے اس لئے کہ تمہیں تو زیادہ تر ان سورتوں میں آئی ہیں جو پہلے نازل ہوئیں۔ اور دلائل بعد کی سورتوں

میں بیان ہوئے ہیں۔ امام موصوف کے دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے بعد اس موقع پر ایک ایسا قول مذکور ہے جس میں حجت و برہان کا بہت ہی زبردست پہلو ہے، اور قسم محض نبیہ کے لئے ہے۔ دیکھیے! اس جواب میں اور ما قبل واسطے میں کیا سرو بھی فرق ہے؟ اور دونوں میں سے کیا ایک میں بھی اصل مسئلہ سے متعلق کچھ کہا گیا ہے؟ تیسرا جواب تو بہت ہی گرا ہوا ہے وہ اس لئے کہ پہلے دونوں جوابوں میں تو امام موصوف نے یہ دعویٰ کیا کہ قسم میں شہادت کا کوئی پہلو نہیں اور تیسرے جواب میں اس کا حجت ہونا خود ہی تسلیم کر لیا ہے گو کہ ہلکے درجہ کی حجت و دلیل۔

ذیل کی سطروں میں اب ہم مقسم بہ کی تعین قسم کی اس موقع پر ضرورت، اور مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت کی بابت اپنی رائے پیش کریں گے لیکن مناسب ہوگا کہ قبل اس کے کہ ان مباحث کی تحقیق میں ٹریں ایک نہایت ضروری مرحلے سے گزر لیا جائے اور وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کے عمود کی تعیین ہے۔

سورہ کا مرکز | پیش نظر سورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ توحید اور قیامت کے ثبوت میں واقع ہے۔ ایک طرف تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک خدا کی بے پایاں قدرت کا مظہر ہے۔ کوئی چیز اس سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک کی ضرورت کا مرکز وہی ہے۔ اس کے علاوہ تمام کے تمام رشتے بے معنی ہیں۔ مخلوقات کی احتیاج بالخصوص حضرت انسان کی ضروریات ہیں پر ختم نہیں ہوتیں بلکہ کل کی زندگی میں جب خدا کی عدالت عالیہ قائم ہوگی تو وہ رحمت خداوندی کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔ الغرض اگر یہ سورہ غور سے پڑھی جائے تو ہر شخص کو بادی تامل نظر آ سکتا ہے کہ پوری سورہ میں یہی دونوں حقیقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔

مقسم علیہ کی تعیین کے بعد اب ہم مقسم بہ کی شرح و تعیین کریں گے۔

مقسم بہ کی شرح و تعیین | وَالصَّفَاتِ صَفًا فَالْزَجْرَاتِ زَجْرًا

لے ماخوذ از احسان فی اقسام القرآن مصنفہ صاحب نظام القرآن صفحہ ۵ - ۶

فَاتَّخَذَتْ لَهَا آلًا، تفسیروں کے مستقر اسے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین میں سے بیشتر لوگوں کا ان اوصاف کے بارے میں یہ خیال ہے کہ ان کا موصوف گروہ ملائکہ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صورت انسب ہے اس کے علاوہ جتنی صورتیں مذکور ہیں ان میں سے کوئی بھی چسپاں نہیں ہوتی۔ وجہ ترجیح مناسبت کی بحث سے سمجھ میں آجائیں گے۔

قسم کی غرض | اوپر کی سطروں سے قسم کی تعیین ہوگئی۔ ہا یہ سوال کہ اس موقع پر قسم کیوں لائی گئی؟ اس کا وہ جواب انسب نہیں جو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہے بلکہ اس باب میں صاحب نظام القرآن نے قسم کا جو مفہوم بیان کیا ہے اگر اسے سامنے رکھا جائے تو وہ تمام کی تمام دقتیں جو امام موصوف کے جواب سے پیدا ہو جاتی ہیں یک قلم دور ہو جائیں گی یعنی یہ کہ قسم کا اصل مقصود استشہاد ہے۔ تعظیم و احترام کا پہلو انہیں مواقع پر ہوگا جہاں خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکت یا اس کے شعائر کی قسم کھائی گئی ہو۔ اور اس صورت میں بھی تعظیمی پہلو ضمنی ہوگا۔ اصل مقصود استشہاد و استدلال ہی ہوگا۔ کلام عرب کے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے امعان فی اقسام القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سطور بالا سے قسم بہ کی تعیین اور قسم کی حقیقت اجمالاً سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اب ہم مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت دریافت کریں گے۔

مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت | یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیش نظر سورہ توحید و قیامت کے ثبوت میں واقع ہے یعنی یہ کہ اس عالم میں جتنے بھی انقلابات و تغیرات ہوتے ہیں سب کام مرکز محض ایک ذات ہے۔ وہی سب کچھ کرتی ہے۔ اس کے ایما کے بغیر کوئی تبدیلی بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ ایسی ذات جس کی قدرت و تصرف کے بے شمار مظاہر ہیں، ضرور بالضرور اس نے اس عالم کی پیدائش کی کوئی اہم غایت رکھی ہوگی۔ اسی کو قرآن قیامت سے تعبیر کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر سورہ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کے طالب علم سے یہ معنی نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ منجملہ جنود الہی ہیں۔ ذیل کی آیتوں پر غور کیجئے :-

سورہ انفال میں ہے :-

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ
إِنِّي مُخَوِّدٌ بِاللَّيْلِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَرَدَّفِينَ
وَمَا لَكُمْ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ بِكُمْ إِلَهُاتٌ لَّيَسَّرَ لِي الْإِثْمَ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ إِذْ يُغَشِّيكُمُ اللَّيْلُ
أَمْنَهُ مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً
لِّيُطَهِّرَ كُفْرًا وَيُذْهِبَ عَنْكُم رِيحَ
الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ
بِهِ الْأَقْدَامَ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ
إِنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِيَ
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
فَأَضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاصْرِبُوا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَاتٍ (رکوع اول)

ایک دوسری جگہ ہے :-

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّهُمْ

یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے
تھے پس اس تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگا ہزار فرشتوں سے
تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے فرشتوں کی مدد تمہیں بخش کر کے
کیلئے کی ورنہ فتح تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے بیشک خدا غالب
اور حکمت والا ہے یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمہاری
تسکین کے لئے نیند تم پر طاری کرتا تھا اور آسمان تم پر پانی برسا
تھا کہ اس تم کو پاک کرے اور شیطان کی گندگی تم سے دور کر دے
اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے
ذریعہ سے تمہارے قدم جمائے رکھے، یاد کرو اس وقت کو
جب کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں پس تم مسلمانوں کے قدم جمائے
رکھو غمگین کافروں کے دل میں رعب ڈالیں پس مارو گورونوں
پر اور مارو ان کے پور پور پر۔

پھر خدا نے اپنے رسول پر ملازمینوں پر سلی نازل فرمائی
اور غیر مرنی فوجیں بھیجیں اور کافروں کو سخت ماری

اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (توبہ - ۴)

ایک دوسرے موقع پر ہے :-

اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کچھ پروا نہیں)، اس کے اس لئے
اس وقت اپنے رسول کی مدد کی تھی جب کافروں نے
گھر سے باہر نکال دیا دو میں دوسرے اس وقت یہ
دونوں غار میں تھے، یاد کرو اس وقت کو جبکہ وہ اپنے
رفیق سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو بیشک خدا ہمارے ساتھ
ہے پس نہ مرنے اپنی تسلی اس پر نازل فرمائی اور غیر مرئی
افواج سے اس کی مدد کی اور کافروں کی بات کو ٹیٹھی

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ
إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنَّا لِلَّهِ
إِذَا هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ
إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (توبہ - ۶)

کر دیا اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے :-

یاد کرو جبکہ تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے
یہ پس نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں تمہاری
مدد کرے ضرور، بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار
کرو اور دشمن اسی دم تم پر چڑھ دوں تو تمہارا پروردگار
پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

إِذْ تَقُولُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَلَيْسَ
أَنْ يُمَكِّنَ لَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ
أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
مُنْزِلِينَ ۚ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا
يَأْتِكُمْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمِهِمْ هَذَا
أَجْدَدُ كَمَا رَمَقْتُمْ
بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

(آل عمران - ۱۳)

سورہ ذاریات میں ہے :-

رسائل و مسائل

صفاتِ باری تعالیٰ

لکھنؤ سے ایک صاحب لکھتے ہیں :-

”میں ان لوگوں میں زندگی کے بہترین اوقات صرف کر رہا ہوں جو منکر مذہب ہیں اور انہیں وہی گمراہ نہیں ہیں بلکہ ہزاروں کو وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں رہتا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان تمام تر گمراہیوں کا منشا صرف دین سے ناواقفیت ہے اور بس۔

فضا اور ماحول کو دیکھتے ہوئے میرا دل بہترین توقعات سے لبریز ہے۔ میں کچھ کام کر چکا ہوں، کچھ کر رہا ہوں اور اُنہدہ بھی مجھے کچھ کرنا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ میں آپ کے اپنی امداد کے لئے تکلیف دینی چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے جو کام لینا ہے آپ کے سوا اس کا کوئی دوسرا اہل نظر نہیں آتا۔

خدا کے وجود کا ہر شخص کو اعتراف ہے خواہ وہ کوئی مذہبی انسان ہو یا دہریہ، کوئی فاطر کہتا ہے اور کوئی فطرت۔ صرف الفاظ کے گورکھ دھندے ہیں، مفہوم سب کا واحد ہے لیکن مسلمان خدا کو ”بانہ و فوزدہ“ صفات کے تسلیم کرتے ہیں۔

مجھے وجود خدا بایں ہمہ صفات کے دلائل درکار ہیں۔ ایک دلیل ہو یا چند دلائل ایسے ٹھوس

اور مضبوط ہوں کہ اُسے ”جدید روشنی“ خیرہ نہ کر سکے، مختصر ہوں اور جامع۔۔۔ بس۔“

ترجمان القرآن۔ باری تعالیٰ کے ۹۹ اسماء تو وہ ہیں جو ہمیں بتائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ

بے حد و حساب اسما حسنیٰ اور بھی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ حدیث میں آیا ہے اسٹاک بکل اسم مولد و سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک پس ۹۹ کی تخصیص درست نہیں۔

محض وجود باری کا اقرار صحت ایمان کے لئے کافی نہیں ہے۔ کم از کم ان صفات کا علم و ادراک ضروری ہے جن کی تصریح قرآن میں ہے۔ مثلاً العلیٰ، رحمن، رحیم، یتمتع، بصیر، خبیر، فعال لما یرید، دیان، منتقم وغیرہ۔ اس لئے کہ صحت ایمان اور صحت عمل کا تمام تراغصا اس امر پر ہے کہ خدا اور کائنات، اور خدا اور انسان کے تعلق کی حقیقی نوعیت ہمیں معلوم ہو، اور یہ اسما صفات اسی نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ جو شخص مثلاً وجود باری کا مقرر ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کر کے فارغ ہو بیٹھا ہے (فوق) اور اب اس کائنات کا نظم و نسق خود بخود بالابتدال (INDEPENDENTLY) چل رہا ہے، اور اس کے انتظام سے بالفعل خدا کا فرمانروایانہ تعلق نہیں ہے، اس کا خدا کو ماننا بے معنی ہے۔ وہ گویا خدا کو اس طرح مانتا ہے جس طرح ایک موٹر خریدنے والا اس بات کو مانتا ہے کہ اس کا میکرو فریڈ یا اسٹن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماننے سے موٹر کے ساتھ اس کا معاملہ اور برتاؤ معین یا کسی طور پر بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض یہ ماننے سے کہ کائنات کا اور خود انسان کا میکرو خدا ہے، کائنات کے ساتھ اور خود اپنے وجود کے ساتھ انسان کے معاملہ کی نوعیت بھی معین نہیں ہوتی، نہ کسی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اسلام کا مقصد تو صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اپنے ساتھ اور سارے عالم کے ساتھ باری تعالیٰ کے تعلق کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ باری تعالیٰ قیوم ہے، فعال لما یرید، رب ہے، علیم و خبیر ہے، قاہر فوق عبادہ ہے، ظالم نہیں ہے بلکہ رحمن و رحیم ہے، حکیم ہے (یعنی اس کا

لہ خدا یا میں تجھ سے دعا کرتا ہوں ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا ہے، جس کو تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے، یا جسے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، یا جو تیرے علم غیب میں ہے اور بندوں کو تو نے اس کی خبر نہیں دی ہے۔